ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY



AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 1965

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :فقہ القرآن(1965) 2-

سطح :بی ایس علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر 2 یونٹ نمبر 5 :تا(9

کل نمبر • 100 سوالات کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر یہ مشق اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر | 1 حرام مطعومات اور" وما أُهل لغير الله به "کی وضاحت 20) نمبر(

سوال نمبر1 ۔ حرام مطعومات سے کیا مراد ہے نیز وما اُهل لغير الله به پر مفصل نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

انسان کی خوراک اس کے جسم، صحت، اخلاق اور روحانیت پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے، اسی لیے شریعتِ اسلامی نے کھانے پینے کی چیزوں کے حلال و حرام ہونے کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ مطعومات سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو کھائی جاتی ہیں۔ اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اصل میں تمام چیزیں حلال و مباح ہیں، اور حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کی حرمت قرآن و سنت کی صریح دلیل سے ثابت ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں) "البقرہ (29 :اور دوسری جگہ فرمایا" :کہہ دو، مجھ پر نازل کی گئی وحی میں میں کوئی ایسی چیز حرام نہیں

پاتا جو کھانے والے پر حرام ہو، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا گیا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو) "الانعام(145 :۔

اس جواب میں پہلے حرام مطعومات کا مفہوم اور ان کی قرآنی فہرست بیان کی جائے گی، پھر سوال کے دوسرے اور مرکزی جز" وما أُهل لغير الله به "پر مفصل نوٹ پیش کیا جائے گا۔

حرام مطعومات سے مراد وہ کھانے ہیں جن کا کھانا شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 3 میں ان کی مفصل فہرست ایک ہی جگہ بیان ہوئی ہے "تم پر حرام کیا گیا مردار، اور خون، اور خنزیر کا گوشت، اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جو چوٹ لگنے سے مرا ہو، اور جو اونچائی سے گر کر مرا ہو، اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو، اور جسے درندے نے کھایا ہو، مگر جسے تم) زندہ پا کر (ذبح کر لو، اور وہ جو تھان پر ذبح کیا گیا ہو۔ "اس آیت میں مردار کی مختلف صورتیں گنوائی گئی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور شرعی ذبح کے بغیر مر جائے وہ مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے، خواہ موت کی صورت کوئی بھی ہو۔ البتہ دو مردار احادیث کی رو سے مستثنیٰ ہیں :مچھلی اور ٹڈی، کیونکہ ان میں ذبح کا عمل جاری نہیں ہوتا۔ اسی طرح بہتا ہوا خون حرام ہے جبکہ رگوں میں جما ہوا معمولی خون اس حکم سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ فقہاء نے اس فہرست پر قیاس کرتے ہوئے ان تمام چیزوں کی حرمت کا اصول نکالا ہے جو خبیث، نجس یا انسانی صحت و فطرت کے لیے مضر ہوں، جیسا کہ سورۃ الاعراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان ہوئی کہ وہ" پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) "الاعراف(157 :۔

"وما أُهل لغير الله به "کا مفہوم

سوال کا دوسرا جز" وما أُهل لغير الله به "ہے جو سورۃ البقرہ(173) ، سورۃ المائدہ(3) ، سورۃ الانعام (145) اور سورۃ النحل (115) میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔" اِهلال "کے لغوی معنی آواز بلند کرنا ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں جب بتوں کے نام پر جانور ذبح کیا جاتا تو ذبح کے وقت بلند آواز سے اس بت یا بزرگ کا نام پکارا جاتا تھا، اور اسی آواز بلند کرنے کو اهلال کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ لفظ مطلق نام پکارنے اور نذر و نیاز کے لیے مخصوص کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ پس "وما أُهل لغير الله به "سے مراد ہر وہ جانور اور کھانا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر مخصوص کیا گیا ہو، کسی غیر اللہ کی خوشنودی اور تقرب کے لیے ذبح کیا گیا ہو، یا اس پر غیر اللہ کا نام ذبح و تقرب کی نیت سے پکارا گیا ہو۔

مفسرین، مثلاً امام ابن کثیر اور دیگر، نے اس کی تشریح یہی کی ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر اللہ کے بجائے غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، خواہ وہ بت ہو، کوئی بزرگ شخصیت ہو یا کوئی اور ہستی۔

اس حرمت کی بنیادی علت شرک اور عقیدے کی حفاظت ہے۔ ذبح ایک عبادت اور تقرب کا عمل ہے، اور عبادت کی ہر صورت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ جب کوئی شخص جانور کو کسی غیر اللہ کے نام سے منسوب کر کے ذبح کرتا ہے تو وہ اس عمل سے اس ہستی کی تعظیم و تقرب کا ارادہ کرتا ہے، جو توحید کے منافی ہے۔ اسی لیے قرآن نے اسے فسق قرار دیا ہے" :اور وہ نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بے شک یہ فسق ہے) "الانعام(121 :۔ فقہاء کے ہاں اس کی عملی صورتوں میں یہ بھی داخل ہے کہ مزارات اور آستانوں پر منت کے نام سے جانور لے جا کر وہاں اس بزرگ کی نیت سے ذبح کیا جائے، یا نیاز و نذر کے کھانے کو کسی مخلوق کی طرف تقرب کی نیت سے منسوب کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر جانور اللہ کے نام سے، بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو اور اس کا گوشت بعد میں ایصالِ ثواب کی نیت سے تقسیم کیا جائے تو اس کی نوعیت جدا ہے؛ اصل فیصلہ کن چیز ذبح کے وقت کی نیت اور نام کی نسبت ہے۔ علماء یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ محض کسی نیک آدمی کے گھر مہمانی کا کھانا یا عام صدقے کا کھانا اس حکم میں داخل نہیں، جب تک اس میں غیر اللہ سے تقرب کا ارادہ شامل نہ ہو۔

اس بحث سے متعلق چند فقہی پہلو بھی قابل ذکر ہیں۔ پہلا یہ کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اور اس پر حسن ظن رکھا جاتا ہے، یعنی بازار سے ملنے والا گوشت بلا تحقیق کھایا جا سکتا ہے، کیونکہ مسلمان سے یہی توقع ہے کہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہے؛ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نو مسلم لوگوں کے گوشت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ہدایت دی کہ تم خود بسم اللہ کہہ کر کھا لو۔ دوسرا پہلو اہل کتاب کے ذبیحے کا ہے؛ سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا" :اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے) "المائدہ(5 :، بشرطیکہ وہ ان کے شرعی طریقے سے ذبح شدہ ہو اور اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ تیسرا پہلو ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جانے کا ہے، جس میں فقہاء کی تفصیل موجود ہے کہ بھول کر چھوٹنا نسیان کے سبب معاف ہے۔ چوتھا پہلو حالتِ اضطرار کا ہے؛ خود سورۃ المائدہ کی آیت میں فرمایا گیا کہ جو شخص بھوک سے مجبور ہوجائے اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، یعنی جان بچانے کی حد تک بقدر ضرورت اس رخصت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرام مطعومات کا باب عقیدہ، ذبح کے شرعی طریقے اور انسانی ضرورت تینوں پہلوؤں کو ایک ساتھ لے کر چلتا ہے۔

حرمت کی حکمتیں اور عملی احتیاطیں

حرام مطعومات کی حرمت کے پیچھے کئی حکمتیں ہیں۔ دینی حکمت یہ ہے کہ مسلمان کا عقیدہ ہر قسم کے شرک سے پاک رہے اور اس کی خوراک بھی توحید کی علامت ہو۔ طبّی حکمت یہ ہے کہ مردار اور خون بیماریوں اور جراثیم کا ذریعہ ہوتے ہیں، اور خنزیر کو فقہاء و مفسرین نے نجاست و خباثت کی علامت قرار دیا ہے۔ اخلاقی حکمت یہ ہے کہ پاکیزہ غذا سے دل میں نور اور عبادت کی رغبت پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ حلال کمائی کے بیان میں" طیبات "کی تاکید سے ظاہر ہے۔ عملی زندگی میں مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ گوشت اور تیار شدہ غذاؤں کے بارے میں اطمینان کر لے کہ ذبح اسلامی طریقے سے ہوا ہے اور اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ دور حاضر میں ڈبہ بند غذاؤں اور درآمد شدہ گوشت کے سلسلے میں حلال سرٹیفکیشن کا نظام اسی احتیاط کی ایک صورت ہے، البتہ بے جا وسوسے اور بدگمانی سے بھی بچنا چاہیے، کیونکہ شریعت نے مسلمان کے ذبیحے پر اعتماد کا اصول دیا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حرام مطعومات وہ کھانے ہیں جنہیں قرآن و سنت نے مردار، خون، خنزیر، غیر اللہ کے نام کے ذبیحے اور مردار کی مختلف صورتوں کی شکل میں واضح طور پر حرام قرار دیا ہے۔" وما أُهل لغير الله به "کا مفہوم یہ ہے کہ جو جانور اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر تقرب کی نیت سے مخصوص و ذبح کیا جائے وہ حرام ہے، کیونکہ ذبح عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔ یہ حکم مسلمان کے عقیدے کی حفاظت، اس کے جسم کی سلامتی اور اس کے اخلاق کی پاکیزگی کا ضامن ہے، اور اسی لیے اس پر عمل کرنا فقہ القرآن کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

جدول :حرام مطعومات کی قرآنی فہرست) المائدہ(3 :

حکم	وضاحت	قسم
حرام) مچھلی و ٹڈی مستثنیٰ(	بغیر شرعی ذبح کے مرا ہوا جانور	مردار
حرام	ذبح یا زخم سے بہنے والا خون	بہایا گیا خون

حرام	خنزیر کا گوشت و اجزا	لحمِ خنزیر
حرام	غیر اللہ کے نام پر مخصوص و ذبح شدہ	وما أُهل لغير الله به
حرام، زندہ پا کر ذبح کیا جائے تو حلال	منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ، درندے کا کھایا ہوا	مردار کی صورتیں

سوال نمبر | 2 حلال و حرام مشروبات اور اسلامی آدابِ طعام و شرب 20) نمبر(

سوال نمبر2 ۔ مشروبات میں حلال و حرام کون کون سی چیزیں ہیں نیز اسلامی آداب طعام و شرب بیان کیجیے۔(20)

تعارف

کھانے کی طرح پینے کی چیزوں کے بارے میں بھی اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں، کیونکہ مشروبات کا براہ راست تعلق انسان کی صحت، عقل اور اخلاق سے ہے۔ ایک طرف وہ پاکیزہ مشروبات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نعمت قرار دیا ہے، اور دوسری طرف وہ نشہ آور اور مضر مشروبات ہیں جنہیں شریعت نے حرام کر کے انسان کی عقل و جان کی حفاظت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام نے کھانے پینے کے آداب بھی سکھائے ہیں، کیونکہ اسلام محض احکام کا نام نہیں بلکہ ایک تہذیب کا نام بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں دسترخوان کے وہ اصول ملتے ہیں جن سے نعمت کی قدر، شکر گزاری، صفائی اور اجتماعی حسن اخلاق پیدا ہوتا ہے۔ اس جواب میں پہلے حلال و حرام مشروبات کی تفصیل بیان کی جائے گی، اور پھر کھانے پینے کے اسلامی آداب کو منظم انداز میں پیش کیا جائے گا۔

مشروبات میں حلال کی اصل بھی وہی عمومی اصول ہے کہ ہر پاکیزہ چیز حلال ہے جب تک اس کی حرمت کی دلیل نہ ملے۔ سب سے پہلا اور بنیادی حلال مشروب پانی ہے، جسے قرآن نے ہر زندہ چیز کی مادۂ حیات قرار دیا ہے۔ اس کے بعد دودھ حلال و طیب مشروب ہے، جس کا ذکر قرآن میں نعمت کے طور پر آیا ہے) النحل(66 :۔ شہد سے تیار کردہ شربت کے بارے میں قرآن نے کہا کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے) النحل(69 :۔ پھلوں کے رس، یعنی انگور، کھجور، انار وغیرہ کے غیر نشہ آور مشروبات حلال ہیں، بشرطیکہ ان میں نشہ پیدا نہ ہو گیا ہو۔ چائے، قہوہ اور اس قسم کے عام مشروبات بھی اصل اباحت کے تحت حلال ہیں، کیونکہ ان میں نہ نشہ ہے نہ نجاست، اگرچہ ان کے بے جا استعمال کی حوصلہ

افزائی طبّی اعتبار سے الگ بحث ہے۔ اسی طرح کھجور یا کشمش کو پانی میں بھگو کر تیار کیا جانے والا وہ مشروب جس میں نشے کی کیفیت پیدا نہ ہوئی ہو، فقہاء کے ہاں تفصیلی احکام کے ساتھ جائز سمجھا جاتا ہے، مگر جونہی اس میں نشہ اور جھاگ پیدا ہوجائے اس کا حکم بدل جاتا ہے۔ بارش اور چشموں کا پانی، سوڈا واٹر اور معدنی پانی جیسی جدید صورتیں بھی اسی حلال کی فہرست میں آتی ہیں۔

حرام مشروبات

حرام مشروبات میں سر فہرست شراب یعنی خمر ہے۔ خمر ہر اس مشروب کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے اور نشہ پیدا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کو یوں بیان فرمایا کہ" ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے "اور یہ بھی فرمایا کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ قرآن مجید میں شراب کی حرمت بتدریج نازل ہوئی :پہلے اس کے گناہ کو اس کے نفع سے بڑا بتایا گیا) البقرہ(219 :، پھر نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روکا گیا) النساء(43 :، اور آخر میں سورۃ المائدہ میں قطعی حکم آگیا" :اے ایمان والو ! شراب، جوا، تھان اور پانسے سب گندے شیطانی عمل ہیں، ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ) "المائدہ(90 :۔ اس تدریج سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کا یہ حکم انسانی نفسیات کی رعایت کے ساتھ معاشرے کو نشے کی لعنت سے مکمل پاک کرنے کے لیے دیا گیا۔

شراب کے علاوہ حرام مشروبات میں بیئر اور جدید ناموں سے آنے والی الکحل ملی تمام اشیاء شامل ہیں، کیونکہ فیصلہ کن چیز نام نہیں بلکہ نشے کی حقیقت ہے۔ اسی طرح بھنگ، افیون اور دیگر منشیات کے مشروبات، اور چرس و ہیروئن جیسی اشیا کے محلول بھی حرام ہیں، کیونکہ یہ عقل کو ماؤف کرتی ہیں اور جان و مال دونوں کے لیے تباہ کن ہیں۔ فقہاء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جو چیز عقل کو زائل کرے یا بدن کو شدید نقصان پہنچائے وہ اسی حکم میں ہے، خواہ وہ پینے کی صورت میں ہو یا کھانے کی۔ نجس چیزوں کے مشروبات، مثلاً خون سے بنی اشیاء یا نجاست ملا پانی، بھی حرام و ممنوع ہیں۔ جس مشروب میں حرام جز اس قدر غالب و مخلوط ہو کہ اس کی شناخت باقی رہے وہ بھی استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ دور حاضر میں انرجی ڈرنکس یا دیگر تیار شدہ مشروبات کے بارے میں یہی اصول لاگو ہوگا کہ ان کے اجزا اور اثرات کا جائزہ لیا جائے؛ اگر ان میں نشہ آور یا مضر صحت اجزا ثابت ہوں تو فقہی فیصلہ انہی بنیادوں پر ہوگا۔

اسلامی آدابِ طعام

کھانے کے آداب میں سب سے پہلا ادب بسم اللہ پڑھنا ہے؛ حدیث میں ہے کہ جو کھانے کی ابتدا میں اللہ کا نام لے شیطان اس کھانے میں شریک نہیں ہوتا، اور اگر شروع میں بھول جائے تو یاد آنے پر" بسم اللہ اولہ و آخرہ "کہہ لے۔ دوسرا ادب دائیں ہاتھ سے کھانا ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان کو یہی تربیت دی تھی کہ اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ یہ تین ہدایات دراصل پورے آدابِ طعام کا خلاصہ ہیں :بسم اللہ ذکر ہے، دایاں ہاتھ صفائی و تہذیب کا تقاضا ہے، اور اپنے سامنے سے کھانا دوسروں کے حق اور دسترخوان کے احترام کا اظہار ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانے میں عیب نہ نکالا جائے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، پسند آتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ چوتھا ادب اسراف سے بچنا ہے؛ قرآن نے حکم دیا" :کھاؤ پیو اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا) "الاعراف(31 :۔ اسی لیے حدیث میں پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی حکمت بیان ہوئی :ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک پانی کے لیے اور ایک سانس کے لیے۔

کھانے کے مزید آداب میں اجتماعی طور پر کھانا بھی شامل ہے، کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور تنہا کھانے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا، کھانے کے دوران بے جا تکلف اور فضول گفتگو سے بچنا، منہ میں بڑے لقمے نہ رکھنا، اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا اور برتن صاف کرنا سنت سے ثابت ہے، جس میں نعمت کی قدر اور صفائی دونوں کا درس ہے۔ کھانے کے بعد اللہ کی حمد کرنا بھی اہم ادب ہے؛ دعا کے وہ الفاظ سنت میں مذکور ہیں جن میں اس نعمت پر شکر ادا کیا جاتا ہے۔ مہمان کی موجودگی میں آداب کا دائرہ مزید وسیع ہوجاتا ہے :میزبان مہمان کو عزت دے، اس کے سامنے کھانا رکھے اور اسے بے تکلفی سے کھانے کی ترغیب دے۔ اسی طرح دوسروں کے گھر یا دعوت میں بلا اجازت زائد چیزوں کا طلب کرنا یا دسترخوان پر بے ادبی کرنا آداب کے خلاف ہے۔ ان آداب کا مقصد یہ ہے کہ کھانا محض پیٹ بھرنے کا عمل نہ رہے بلکہ شکر، محبت اور پاکیزگی کا ذریعہ بن جائے۔

اسلامی آدابِ شرب

پینے کے آداب میں پہلا ادب بسم اللہ کہہ کر پینا اور الحمد للہ کہہ کر ختم کرنا ہے۔ دوسرا ادب دائیں ہاتھ سے پینا ہے، کیونکہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کے طریقے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ پانی تین سانسوں میں پیا

جائے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت برتن سے باہر تین مرتبہ سانس لیتے تھے، اور اس کا فائدہ یہ بیان ہوا کہ یہ طریقہ زیادہ سیراب کرنے والا اور زیادہ بے ضرر ہے۔ چوتھا ادب برتن میں سانس لینے اور پھونکنے کی ممانعت ہے، جس میں صفائی اور صحت کی حکمت ظاہر ہے۔ پانچواں ادب بیٹھ کر پینا ہے؛ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کی روایات موجود ہیں اور فقہاء نے بیٹھ کر پینے کو ادب و سنت قرار دیا ہے۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ پانی پلانے والا خود سب سے آخر میں پیے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے کہ قوم کا ساقی سب سے آخر میں پیتا ہے۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ برتن کے ٹوٹے ہوئے کنارے سے پینے سے بچا جائے اور مشکیزے کے منہ سے براہ راست پانی نہ پیا جائے، تاکہ نقصان اور نجاست کے احتمال سے بچا جاسکے۔ آٹھواں ادب یہ ہے کہ پینے سے پہلے برتن میں دیکھ لیا جائے، خاص طور پر رات کے وقت، تاکہ کوئی نقصان دہ چیز اس میں موجود نہ ہو۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مشروبات میں حلال و حرام کا معیار پاکیزگی اور نشے سے خالی ہونا ہے۔ پانی، دودھ، شہد اور پھلوں کے رس جیسے طیب مشروبات حلال ہیں، جبکہ شراب اور ہر نشہ آور و نجس مشروب حرام ہے، کیونکہ شریعت عقل، جان اور مال کی حفاظت چاہتی ہے۔ آدابِ طعام و شرب اسی نظام کا تزئینی پہلو ہیں :بسم اللہ اور حمد، دایاں ہاتھ، اعتدال، صفائی اور اجتماعی مروت وہ اصول ہیں جو کھانے پینے کو عبادت اور شکر کا درجہ دے دیتے ہیں۔ ان آداب پر عمل کرنے سے مسلمان کی روزمرہ زندگی سنت کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔

جدول :حلال و حرام مشروبات کا خلاصہ

حکم / بنیاد	مثالیں	زمرہ
طیب ہیں؛ اصل اباحت	پانی، دودھ، شہد کا شربت، پھلوں کے رس، چائے قہوہ	حلال
المائدہ90 :؛ کل مسکر حرام	شراب، بیئر، الکحل ملے مشروبات	حرام
عقل زائل کرنے اور ضرر کی وجہ سے	منشیات کے مشروبات و محلول	حرام
خبائث کی حرمت) الاعراف(157 :	نجس و خبیث مشروبات	حرام

سوال نمبر | 3 نکاح کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، اقسام اور فوائد 20) نمبر(

سوال نمبر3 ۔ نکاح کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کیجیے۔ نیز نکاح کی اقسام اور فوائد نکاح پر مفصل نوٹ لکھیے۔(20)

تعارف

نکاح انسانی معاشرے کی سب سے بنیادی اور مقدس ادارہ سازی ہے، جس کے ذریعے خاندان وجود میں آتا ہے، نسلِ انسانی کی بقا ہوتی ہے اور مرد و عورت کی فطری وابستگی کو ایک پاکیزہ اور قانونی شکل ملتی ہے۔ اسلام نے نکاح کو محض ایک معاشرتی رسم نہیں سمجھا بلکہ اسے عبادت، سنت اور معاشرتی ذمہ داری کا درجہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی) "الروم(21 ۔ اسی طرح نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا" :اپنے میں سے بے نکاحوں کا نکاح کر دیا کرو) "النور(32 ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور اس سے اعراض کرنے والے کے بارے میں سخت تنبیہ فرمائی۔ اس جواب میں پہلے نکاح کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر اس کی اقسام بیان ہوں گی، اور آخر میں نکاح کے فوائد پر مفصل نوٹ پیش کیا جائے گا۔

نکاح کے لغوی معنی جمع کرنے، ملانے اور ضم کرنے کے ہیں۔ عربی زبان میں درختوں کے باہم ملنے اور نیند کے آنکھوں پر غالب آنے کو بھی اسی مادے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے باہمی قرب اور ملاپ کا مفہوم نکلتا ہے۔ بعض اہل لغت کے نزدیک نکاح کا اصل معنی عقد و معاہدہ بھی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے دو خاندان اور دو افراد ایک پابند رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں نکاح ایک ایسا مخصوص عقد ہے جو مرد و عورت کے درمیان ایجاب و قبول کے ذریعے منعقد ہوتا ہے اور جس کا مقصد شرعی شرائط کے ساتھ ازدواجی زندگی اور باہمی استمتاع کو حلال کرنا ہے۔ فقہاء کی مشہور تعریف یہ ہے کہ نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس سے ایک خاص لفظ، یعنی نکاح یا تزویج، کے ذریعے باہمی نفع اٹھانا مقصود ہو اور جس کے انعقاد کے لیے ایجاب و قبول، گواہ اور دیگر شرائط مقرر ہیں۔ بعض فقہاء نے نکاح کو محض دنیاوی معاہدہ نہیں بلکہ عبادت کے رنگ رکھنے والا عقد قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی غرض عفت، نسل اور سنت

کی پیروی ہے۔ نکاح کی شرعی حیثیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے ارکان میں مجلس کا اتحاد، اہلیتِ عاقدین اور دو مسلمان گواہوں کی موجودگی شامل ہے۔

نکاح کی اقسام

نکاح کی اقسام کئی اعتبارات سے بیان کی جاتی ہیں۔ صحت و نفاذ کے اعتبار سے فقہاء نے نکاح کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلا نکاحِ صحیح ہے، جو تمام ارکان و شرائط کے ساتھ منعقد ہو؛ اس کے تمام آثار مرتب ہوتے ہیں، مثلاً مہر لازم آتا ہے، میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں، عدت اور نسب کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ دوسرا نکاحِ باطل ہے، جس میں انعقاد کی بنیادی شرط معدوم ہو، مثلاً محرم خاتون سے نکاح یا کسی رکن کا فقدان؛ ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا اور اس سے کوئی شرعی اثر پیدا نہیں ہوتا۔ تیسرا نکاحِ فاسد ہے، جو اصل عقد درست ہونے کے باوجود کسی خارجی وصف کی خرابی کی وجہ سے فاسد ہو، مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح؛ اس صورت میں انفساخ سے پہلے جدائی ضروری ہوتی ہے، اور اگر خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہو تو محدود پیمانے پر بعض آثار، جیسے مہر مثل اور عدت، ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تقسیم اس لیے اہم ہے کہ ہر قسم کے آثار جدا ہیں۔

حکمی اعتبار سے نکاح مختلف حالات میں مختلف درجات لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص گناہ میں پڑنے کا مضبوط خدشہ رکھتا ہو اور مہر و نفقے کی استطاعت بھی رکھتا ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک نکاح اس کے حق میں واجب کے قریب ہوجاتا ہے۔ عام حالات میں نکاح سنتِ مؤکدہ اور انبیاء کا طریقہ ہے۔ اگر نکاح کرنے سے کسی پر ظلم لازم آتا ہو، مثلاً کوئی شخص حقوق زوجیت ادا کرنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو، تو ایسی صورت میں نکاح مکروہ یا حسب حالات ممنوع بھی ہوسکتا ہے۔ یہ تفصیل دکھاتی ہے کہ اسلام نے نکاح کو ہر شخص کے حالات کے ساتھ جوڑا ہے، محض رسمی عمل نہیں بنایا۔ اسی طرح بعض خاص صورتوں کا ذکر بھی فقہ میں آتا ہے، مثلاً نکاحِ شغار، یعنی لڑکیوں کا باہمی تبادلہ بغیر مہر کے، جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے؛ نکاحِ حلالہ، جس کا مقصد پہلے شوہر کے لیے حلال کرنا ہو، اس پر بھی احادیث میں لعنت آئی ہے اور اس کا شرعی درجہ سخت ناپسندیدگی کا ہے۔ نکاحِ متعہ، یعنی مقررہ مدت کے لیے نکاح، اہل سنت کے اجماع کے مطابق جائز نہیں ہے، کیونکہ مدت کی قید نکاح کے مقصدِ دوام کے خلاف ہے اور اس کی ممانعت نصوص سے ثابت ہے۔

ایک اور اعتبار سے نکاح کی صورتوں میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نکاح کبھی خود شخص انجام دیتا ہے اور کبھی اس کا وکیل یا ولی اس کی طرف سے عقد کرتا ہے؛ نابالغ کے نکاح میں ولی کا کردار اس کی خیر خواہی کے ساتھ مشروط ہے۔ عورت بالغہ و عاقلہ کے نکاح میں فقہاء کے درمیان ولی کی شرط کے حوالے سے تفصیل موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کی علانیہ اور باوقار صورت بہر حال مطلوب ہے تاکہ خاندانوں کے درمیان محبت رہے اور بعد کے جھگڑوں کا سدباب ہو۔ ان اقسام کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح کا شرعی نظام نہایت متوازن ہے :جہاں اس نے رشتے کو مقدس بنایا ہے، وہیں اس کی غلط صورتوں کو باطل، فاسد اور ممنوع قرار دے کر معاشرے کی حفاظت بھی کی ہے۔

نکاح کے فوائد

نکاح کے فوائد میں سب سے پہلا فائدہ سکونِ قلب اور محبت و رحمت ہے، جسے خود قرآن نے روم کی آیت میں نکاح کا مقصد قرار دیا ہے۔ انسان فطری طور پر تنہائی سے گھبراتا ہے؛ ازدواجی زندگی اسے نفسیاتی سکون، جذباتی توازن اور زندگی کے دکھ سکھ بانٹنے والا ساتھی فراہم کرتی ہے۔ دوسرا فائدہ عفت و پاکدامنی کی حفاظت ہے۔ حدیث میں نوجوانوں کو فرمایا گیا کہ نکاح نظر کو نیچا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والا ہے؛ جو استطاعت نہ رکھے اس کے لیے روزوں کی ہدایت کی گئی۔ اس طرح نکاح معاشرے کو بدکاری اور اس کے تباہ کن نتائج سے بچاتا ہے۔ تیسرا فائدہ نسلِ انسانی کی بقا اور اولاد کی تربیت ہے۔ نکاح کے ذریعے بچے کو ماں باپ کی مکمل سرپرستی، نسب کی شناخت، وراثت کا حق اور محفوظ تربیت کا ماحول میسر آتا ہے، جو خاندان سے باہر کی صورتوں میں ممکن نہیں۔

معاشرتی فوائد میں خاندانوں کا باہمی ربط، رشتہ داریوں کا استحکام اور قبیلوں و برادریوں کے درمیان محبت شامل ہے۔ نکاح سے سسرالی رشتے بنتے ہیں جنہیں قرآن نے نسب کے ساتھ دوسرا ستون قرار دیا ہے" :اسی نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کے رشتے بنائے) "الفرقان(54 :۔ معاشی اعتبار سے نکاح ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے؛ فرد کنبے کی کفالت کے لیے محنت کرتا ہے، فضول خرچی سے بچتا ہے اور اس کی آمدنی منصوبہ بندی کے تحت صرف ہوتی ہے۔ فقہی و قانونی فوائد میں وراثت کی منظم منتقلی، مہر و نفقہ کی صورت میں عورت کے مالی تحفظ، اور بچوں کے نسب و حقوق کی ضمانت شامل ہیں۔ دینی فائدہ یہ ہے کہ نکاح سنت کی پیروی اور ثواب کا ذریعہ ہے؛ حدیث میں ہے کہ شوہر بیوی کا باہمی حسن سلوک بھی صدقے کے اجر رکھتا ہے، اور نیک اولاد انسان کے مرنے کے بعد صدقۂ جاریہ بنتی ہے۔ یوں نکاح دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کا جامع ذریعہ بن جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح شرعًا ایک مقدس عقد ہے جس کا لغوی مفہوم ملاپ و اجتماع اور اصطلاحی مفہوم شرعی شرائط کے ساتھ ازدواجی تعلق کو حلال کرنے والا معاہدہ ہے۔ اس کی اقسام میں صحیح، باطل و فاسد کی تقسیم اور ممنوع صورتوں کی شناخت اس نظام کی مضبوطی کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے فوائد سکون و محبت سے لے کر نسل کی حفاظت، معاشرتی استحکام اور دینی ثواب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کے بجائے نکاح کو اختیار کرنے کی ترغیب دی اور اسے انبیاء کی سنت اور کامیاب معاشرے کی بنیاد قرار دیا۔

جدول :نکاح کی اقسام کا خلاصہ

حکم / اثر	قسم	تقسیم
تمام شرعی آثار مرتب ہوتے ہیں	نکاحِ صحیح	صحت کے اعتبار سے
سرے سے منعقد نہیں	نکاحِ باطل	صحت کے اعتبار سے
جدائی لازم؛ محدود آثار ثابت ہوتے ہیں	نکاحِ فاسد	صحت کے اعتبار سے
روایات و اجماع کی رو سے ممنوع	شغار، حلالہ، متعہ	خاص صورتیں

سوال نمبر | 4 اموال کی وصیت کے احکام اور موصیٰ بہ کی شرائط 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ اموال کی وصیت کے احکام پر تفصیل کے ساتھ نوٹ قلم بند کریں نیز موصیٰ بہ کی شرائط بیان کریں۔ (20)

تعارف

وصیت کے باب میں اموال کی وصیت اس کا سب سے اہم اور عملی حصہ ہے، کیونکہ زیادہ تر وصایات کا تعلق مال و جائیداد سے ہی ہوتا ہے۔ مرنے والا اپنے مال کے ایک حصے کو اپنی پسند کے مصرف میں خرچ کرنے کی خواہش رکھتا ہے، مگر شریعت نے اس خواہش کو ورثاء کے حقوق اور قرض خواہوں کے مطالبات کے تابع کر دیا ہے، تاکہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ قرآن مجید نے وصیت کی فضیلت و اہمیت کو سورۃ البقرہ میں بیان کیا اور میراث کی آیات میں تقسیم کو

”وصیت اور قرض کے بعد “سے مشروط کیا) النساء(12–11 :۔ فقہ القرآن کے اس حصے میں سوال کا پہلا جز اموال کی وصیت کے احکام کی تفصیل ہے اور دوسرا جز موصیٰ بہ یعنی اس مال کی شرائط ہے، جس کی وصیت کی جائے۔ اس جواب میں دونوں اجزا کو ترتیب وار اور تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔

اموال کی وصیت سے مراد وہ مالی تصرف ہے جو موت کے بعد نافذ ہوتا ہے؛ یعنی موصی اپنے ترکہ کا معین مال یا اس کا معین حصہ کسی شخص، ادارے یا نیکی کے مصرف کے لیے مخصوص کر دے۔ اس وصیت کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ یہ تبرع ہے، اس میں عوض نہیں ہوتا، اور یہ زندگی میں قابلِ رجوع ہے۔ موصی جب چاہے اپنی وصیت بدل سکتا ہے، کیونکہ اس کا نفاذ موت سے معلق ہے۔ وصیت کی اس مالی صورت میں تین فریق ہمیشہ پیش نظر رہتے ہیں :قرض خواہ جن کا حق سب سے مقدم ہے، موصیٰ لہ جو وصیت کا مستحق ہے، اور ورثاء جن کا حق میراث میں مقرر ہے۔ فقہی نظام کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس نے ان تینوں کے حقوق کو ایک مقررہ ترتیب میں رکھا ہے، جسے آگے بیان کیا جائے گا۔

اموال کی وصیت کے احکام

اموال کی وصیت کا پہلا بنیادی حکم ثلث مال کی حد ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے واقعے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف اور اس سے زیادہ کی وصیت کی اجازت نہیں دی، ثلث کی اجازت دی اور فرمایا کہ ثلث بھی زیادہ ہے، اور یہ کہ ورثاء کو مال دار چھوڑنا انہیں محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ غیر وارث کے لیے ثلث تک وصیت بلا اجازت نافذ ہوتی ہے؛ ثلث سے زائد وصیت بالغ ورثاء کی موت کے بعد دی گئی رضا مند اجازت پر موقوف رہتی ہے۔ اگر بعض ورثاء اجازت دیں اور بعض نہ دیں تو وصیت صرف اجازت دینے والوں کے حصوں کی حد تک زائد نافذ ہوگی۔ اس حد بندی کا مقصد یہ ہے کہ مرنے والے کی نیکی خواہی اور ورثاء کی کفالت میں توازن قائم رہے۔

دوسرا حکم قرض کی تقدیم ہے۔ وصیت کا نفاذ ترکہ کی اس ترتیب کے بعد ہوتا ہے :سب سے پہلے تجہیز و تکفین کے مناسب اخراجات، پھر تمام قرضوں کی ادائیگی خواہ وہ قرضِ بندے ہوں یا حقوق اللہ کی صورت میں واجب الادا رقم، جیسے بقایا زکوٰۃ یا کفارات کے مالی بدل، پھر وصیت کا نفاذ ثلث کے اندر، اور آخر میں ورثاء میں میراث کی تقسیم۔ اگر ترکہ قرض کی ادائیگی کے بعد نہ بچے تو وصیت خود بہ خود ختم ہوجاتی ہے، اور اگر قرض پورے ترکہ کے برابر یا زیادہ ہو تو موصیٰ لہ کو کچھ نہیں ملتا۔ تیسرا حکم وارث کے لیے وصیت کا ہے؛ حدیث” وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں “کی

بنیاد پر وارث کے حق میں وصیت اصولاً نافذ نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حصہ خود مقرر کر دیا ہے۔ اگر دیگر تمام بالغ ورثاء موت کے بعد اجازت دے دیں تو مشہور قول کے مطابق یہ وصیت بھی نافذ ہوسکتی ہے۔ چوتھا حکم یہ ہے کہ گناہ کے مصرف کے لیے وصیت باطل ہے؛ مثلاً شراب خانے یا ناچ گانے کے اڈے کی تعمیر کے لیے مال کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ معصیت میں تعاون شرعاً ممنوع ہے۔

پانچواں حکم متعدد وصایات کے نفاذ کا ہے۔ اگر موصی نے کئی لوگوں کے لیے وصیتیں کی ہوں اور ان کا مجموعہ ثلث سے بڑھ جائے اور ورثاء اجازت نہ دیں تو ثلث ان سب میں ان کی وصیتوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، یعنی ہر موصیٰ لہ کو اس کی وصیت کے تناسب سے کمی برداشت کرنی ہوگی۔ اگر وصیتیں فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بارے میں بھی ہوں اور نیکی کے مصارف کے بارے میں بھی، تو فقہاء نے واجب الادا حقوق کو تقدیم دی ہے کیونکہ ان کی ادائیگی ذمہ بری ہونے کے لیے ضروری ہے۔ چھٹا حکم وصیت نامے کے اثبات کا ہے؛ وصیت اگرچہ زبانی بھی ہوسکتی ہے، مگر تحریری وصیت نامہ اور اس پر دو گواہ رکھنا فقہی مصلحت کے عین مطابق ہے اور قرآن نے فرض و وصیت کے معاملات میں گواہی کی تاکید بھی کی ہے۔ ساتواں حکم نابالغ اور یتیم ورثاء کے حق کی حفاظت کا ہے: ان کی طرف سے کسی کو اجازت دینے کا اختیار نہیں، لہٰذا ثلث سے زائد وصیت ان کے حصوں کو متاثر نہیں کر سکتی۔ آٹھواں حکم یہ ہے کہ اگر موصیٰ لہ موصی سے پہلے مر جائے تو اصولاً وصیت ختم ہوجاتی ہے، کیونکہ اس کا قبول موت کے بعد ہونا تھا، البتہ عام مصارفِ خیر، مثلاً فقراء کے لیے کی گئی وصیت، اس سے مستثنیٰ ہے۔ ان تمام احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اموال کی وصیت ایک منظم قانونی عمل ہے جس میں نرمی بھی ہے اور نظم بھی۔

موصیٰ بہ کی شرائط

موصیٰ بہ سے مراد وہ مال یا منفعت ہے جس کی وصیت کی جائے۔ اس کے صحیح ہونے کے لیے فقہاء نے متعدد شرائط بیان کی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ شرعًا قابلِ تملیک مال ہو، یعنی وہ مال ہو جس کی ملکیت منتقل ہوسکتی ہے اور جس کا لین دین شریعت میں جائز ہو؛ شراب اور خنزیر جیسی اشیاء مسلمان کے لیے مالِ متقوم نہیں، اس لیے ان کی وصیت معتبر نہیں ہوتی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ موصی کی ملکیت میں ہو یا کم از کم موت کے وقت اس کے ترکہ میں موجود ہو؛ دوسرے کی ملکیت والے مال کی وصیت اس کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ موجود ہو یا وجود کے قابل ہو؛ خالص معدوم چیز کی وصیت صحیح نہیں، البتہ

وہ مال جس کا وجود آئندہ ممکن ہو، مثلاً باغ کے آئندہ آنے والے پھل یا درخت کی آئندہ بڑھوتری، اس کی منفعت کی وصیت کے بارے میں فقہاء نے گنجائش رکھی ہے، کیونکہ منفعت کی وصیت معدوم کے باوجود استحساناً و ضرورتاً قبول کی گئی ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ اس قدر معلوم و متعین ہو کہ اس کی ادائیگی ممکن ہو؛ اگر وصیت میں مال اس قدر مبہم ہو کہ اس کی تعیین ہی ناممکن ہو تو وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ اگر مال مجمل طور پر بیان ہوا ہو، مثلاً” میرے مال میں سے کچھ حصہ دے دینا“، تو فقہی تفصیلات کے مطابق اس کی تشریح عرف اور حالات سے کی جاتی ہے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ ثلث مال کی حد میں ہو؛ اگر اس سے زائد ہو تو زائد حصہ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ کسی حرام و ناجائز مصرف میں صرف کرنا مقصود نہ ہو؛ جس مصرف کی وصیت باطل ہو اس کا مال ورثاء کی طرف لوٹتا ہے۔ ساتویں شرط منفعت کی وصیت کے بارے میں یہ ہے کہ جس چیز کی منفعت کی وصیت کی جائے وہ ایسی ہو جس کا استعمال مع الاستیفاء ممکن ہو، یعنی استعمال کے باوجود اس کی ذات باقی رہے، جیسے مکان کی رہائش یا سواری کا استعمال؛ جو چیز استعمال سے ختم ہوجائے اس میں منفعت ذات سے جدا نہیں ہوسکتی۔ آٹھویں شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ قرض سے فارغ ترکہ میں سے ہو؛ اگر موصی مقروض ہو اور اس کا قرض اس مال کو محیط ہو تو اس کی وصیت کا نفاذ قرض کی ادائیگی کے بعد ہی متصور ہے۔ ان شرائط کا مجموعی مقصد یہ ہے کہ وصیت کا نفاذ واضح، ممکن اور تمام فریقوں کے حقوق کی رعایت کے ساتھ انجام پائے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اموال کی وصیت کے احکام میں ثلث کی حد، قرض کی تقدیم، وارث کے لیے وصیت کی ممانعت، نفاذ کی مقررہ ترتیب اور متعدد وصایات میں تناسبی تقسیم بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ موصیٰ بہ کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابلِ تملیک حلال مال ہو، موصی کی ملک میں ہو یا اس کے ترکہ میں میسر ہو، معلوم و ممکن الوجود ہو، ثلث کی حد میں ہو اور کسی ناجائز مصرف کے لیے نہ ہو۔ اس مکمل نظام سے شریعت نے مرنے والے کی خیر خواہی، قرض خواہ کے حق اور ورثاء کی میراث تینوں کو یکجا محفوظ کر دیا ہے۔

جدول :موصیٰ بہ کی شرائط کا خلاصہ

وضاحت	شرط
ملکیت منتقل ہوسکے؛ خبیث و نجس اشیاء شامل نہیں	قابلِ تملیک مال ہو
دوسرے کے مال کی وصیت نافذ نہیں	موصی کی ملک / ترکہ میں ہو
ادائیگی ممکن ہو، منفعت کی وصیت میں گ جائش موجود	معلوم و ممکن الوجود ہو
زائد ورثاء کی اجازت پر موقوف	ثلث کی حد میں ہو
معصیت کے لیے وصیت باطل	جائز مصرف کے لیے ہو

سوال نمبر | 5 قذف کی سزا اور قاذف و مقذوف کی شرائط 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ قذف کی سزا، قاذف اور مقذوف کی شرائط بیان کیجیے۔(20)

تعارف

کسی انسان کی عزت و ناموس اس کی جان و مال کی طرح محترم ہے، اور اس پر جھوٹا الزام لگانا معاشرے کے لیے سب سے زیادہ تباہ کن رویوں میں سے ایک ہے۔ شریعتِ اسلامی نے پاک دامن لوگوں پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے کو" قذف "قرار دے کر اس کے لیے حد کی مقررہ سزا رکھی ہے، تاکہ زبان کی بے احتیاطی سے کسی کی زندگی برباد نہ ہو اور معاشرے میں کردار کشی کا دروازہ بند ہوجائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے" :اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں، انہیں اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ فاسق ہیں) "النور(4 :۔ اس جواب میں پہلے قذف کی تعریف بیان کی جائے گی، پھر اس کی سزا و احکام کی تفصیل ہوگی، اور آخر میں قاذف یعنی الزام لگانے والے اور مقذوف یعنی جس پر الزام لگایا جائے، دونوں کی شرائط واضح کی جائیں گی۔

قذف کے لغوی معنی پھینکنا اور دور پھینکنا ہیں؛ جس طرح کوئی چیز پھینک کر دور کر دی جاتی ہے اسی طرح الزام لگانے والا دوسرے کی عزت کو مجروح کر کے اسے معاشرے کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں قذف سے مراد کسی محصن یعنی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کا صریح الزام لگانا یا اس کے نسب کی نفی کرنا ہے، جس کا ثبوت وہ پیش نہ کر سکے۔ یہ تعریف دو باتوں کو واضح کرتی ہے :ایک یہ کہ حدِ قذف صرف زنا کے الزام یا نسب کی نفی پر لاگو ہوتی ہے؛ عام گالیاں، بد اخلاقی کے عمومی طعنے یا دیگر جرائم کے الزامات اس حد میں داخل نہیں، البتہ وہ تعزیر

کا موجب ضرور بنتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ الزام اگر چار شرعی گواہوں سے ثابت ہوجائے تو وہ قذف نہیں رہتا، کیونکہ اس صورت میں الزام سچا ثابت ہوا، اگرچہ عملی زندگی میں ایسا ثبوت نہایت نادر ہے۔ قذف کو حدود میں شامل کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نظر میں عزت کی بربادی مال کی چوری سے کم سنگین نہیں، بلکہ بسا اوقات اس سے بڑھ کر ہے۔

قذف کی سزا

قذف کی اصل سزا قرآن مجید سے ثابت ہے اور اس کے تین اجزا ہیں۔ پہلا جز اسی (80) کوڑے ہیں، جیسا کہ سورۃ النور کی آیت چار میں صریح حکم موجود ہے۔ یہ سزا حد ہے، یعنی نہ اس میں کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی، اور نہ شاکی کی معافی سے یہ ختم ہوتی ہے، اگرچہ فقہاء نے اس کے حق اللہ اور حق عبد ہونے کی تفصیل بیان کی ہے؛ مشہور حنفی موقف یہ ہے کہ حد قذف میں حق عبد کا پہلو غالب ہے، لہٰذا اس کا مطالبہ مقذوف کی طرف سے ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ مقدمے سے پہلے معاف کر دے تو حد ساقط ہوسکتی ہے، جبکہ عدالت میں مقدمہ پہنچنے کے بعد حکم مقررہ اصولوں کے مطابق ہوتا ہے۔ دوسرا جز یہ ہے کہ قاذف کی شہادت ہمیشہ کے لیے ناقابل قبول قرار دی جاتی ہے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانے سے اس کی عدالت و امانت مجروح ہوجاتی ہے۔ تیسرا جز اسے فاسق قرار دیا جانا ہے، یعنی شرعی و معاشرتی اعتبار سے اس کی حیثیت گر جاتی ہے۔

آیت کے اگلے حصے میں توبہ کا استثنا بھی آیا ہے" :مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی، تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) "النور(5 :۔ فقہاء کے درمیان اس استثنا کی وسعت میں تفصیل موجود ہے؛ مشہور اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سچی توبہ سے فسق کا وصف ختم ہوجاتا ہے، اور شہادت کی قبولیت کے بارے میں اقوال میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ قذف کی حد کا نفاذ صرف حاکم و عدالت کے ذریعے ہوتا ہے؛ مقذوف خود اپنے طور پر سزا نہیں دے سکتا۔ اگر الزام معاملہ میاں بیوی کے درمیان ہو تو وہاں قذف کی حد کے بجائے لعان کا مخصوص شرعی طریقہ مقرر ہے، جس کی تفصیل سورۃ النور ہی میں آئی ہے اور جس کے ذریعے دونوں فریق قسموں کے بعد جدا ہوجاتے ہیں۔ عام قذف میں گواہوں کی عدم موجودگی، الفاظ میں صراحت کا نہ ہونا یا مقذوف کا محصن نہ ہونا حد کو ساقط کر دیتا ہے، پھر بھی جھوٹے الزام پر تعزیری سزا دی جا سکتی ہے، کیونکہ عزتِ نفس کی ہتک بہر حال جرم ہے۔

قاذف کی شرائط

قاذف یعنی الزام لگانے والے پر حدِ قذف اسی وقت نافذ ہوتی ہے جب اس میں مقررہ شرائط پائی جائیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ قاذف عاقل و بالغ ہو؛ نابالغ اور مجنون مکلف نہیں ہوتے، لہٰذا ان کے الزام پر حد نہیں آتی، البتہ تادیبی پہلو الگ ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قاذف مسلمان ہو یا کم از کم اس نظامِ قضا کے تابع ہو جس میں حدِ قذف نافذ ہوتی ہے؛ فقہاء نے اہل ذمہ کے قذف کے بارے میں تفصیل لکھی ہے جس کا تعلق اسلامی ریاست کے نظام سے ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قاذف نے الزام اپنے اختیار و ارادے سے لگایا ہو؛ جسے زبردستی بولنے پر مجبور کیا گیا ہو اس کا حکم اکراہ کے قواعد کے تحت ہوتا ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ قاذف نے زنا کا الزام صریح الفاظ میں یا کنایہ کی ایسی صورت میں لگایا ہو جس سے عرف عام میں یہی مفہوم یقینی طور پر سمجھا جاتا ہو؛ مبہم اشارے اور محتمل الفاظ پر حد نہیں آتی، کیونکہ حدود شبہ سے ساقط ہوجاتی ہیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ قاذف چار عادل مرد گواہوں سے اپنے الزام کو ثابت نہ کر سکے؛ اگر وہ ثبوت لے آئے تو حد اس پر نہیں پڑے گی۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ مقذوف زندہ ہو یا اس کے ورثاء میں سے کوئی حد کا مطالبہ کرنے والا موجود ہو، کیونکہ یہ حق شخصی تقاضا چاہتا ہے۔ یہ شرائط ظاہر کرتی ہیں کہ شریعت نے الزام کا عمل جتنا سنگین رکھا ہے، سزا کا نفاذ بھی اتنا ہی محتاط رکھا ہے۔

مقذوف کی شرائط

مقذوف یعنی جس پر الزام لگایا گیا ہو، اس کے بارے میں فقہاء نے پانچ شرائط بیان کی ہیں، جنہیں مجموعی طور پر ”احصان “کہا جاتا ہے۔ جو شخص ان پانچوں شرائط کا حامل ہو وہ محصن ہے اور اس پر قذف کرنے والے کو حد لگتی ہے۔ پہلی شرط اسلام ہے؛ مقذوف کا مسلمان ہونا ضروری ہے، کیونکہ حدِ قذف کی حفاظت کا یہ درجہ اسلامی عزت و عصمت سے متعلق ہے، غیر مسلم کے لیے تعزیری نظام میں اس کی عزت کا الگ انتظام فقہاء نے بیان کیا ہے۔ دوسری شرط بلوغ ہے؛ نابالغ پر الزام لگانے سے حد کی بجائے تعزیر کا حکم ہوگا۔ تیسری شرط عقل ہے؛ مجنون شخص کے بارے میں الزام حدِ قذف کا سبب نہیں بنتا۔ چوتھی شرط حریت یعنی آزادی ہے؛ کلاسیکی فقہ میں غلام و باندی کے بارے میں یہ شرط بیان ہوئی، جبکہ دور حاضر میں غلامی کے خاتمے کے بعد یہ شرط عملی طور پر مرد و عورت سب کے حق میں پوری سمجھی جاتی ہے۔ پانچویں اور سب سے اہم شرط عفت و پاکدامنی ہے، یعنی مقذوف پر پہلے کبھی زنا ثابت نہ ہوا ہو

اور وہ اس برائی میں معروف نہ ہو؛ اگر کسی پر حدِ زنا ثابت ہوچکی ہو تو اس پر قذف کرنے والے کو حد نہیں آتی، کیونکہ احصان کی شرط ختم ہوجاتی ہے، البتہ بے جا تہمت لگانے پر تعزیر اس صورت میں بھی ممکن ہے۔

ان شرائط کے علاوہ مقذوف کے بارے میں چند مزید احکام بھی اہم ہیں۔ اگر الزام کسی ایسے شخص پر لگایا جائے جس کی شناخت متعین نہ ہو، مثلاً کسی مجہول فرد کو گالی میں زانی کہہ دیا جائے، تو حد کا حکم اس وقت تک نہیں لگتا جب تک مقذوف معین نہ ہوجائے۔ اگر ایک ہی جملے میں کئی افراد پر الزام لگایا جائے تو فقہاء کی تفصیل کے مطابق سزا کے تعین میں ان کے مطالبے اور صورتِ حال کو دیکھا جاتا ہے۔ نسب کی نفی بھی قذف کے حکم میں ہے؛ مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ تم اپنے باپ کی اولاد نہیں، اس کی والدہ پر الزام کے مترادف ہے، اور اس میں والدہ کا محصن ہونا ہی بنیاد بنتا ہے۔ ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدِ قذف کا اصل نشانہ وہ پاک دامن افراد ہیں جن کی عزت کا کوئی داغ سابقہ طور پر ثابت نہیں، اور یہ نظام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ معاشرے میں کردار کشی کی جرأت کوئی نہ کر سکے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قذف پاک دامن شخص پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے کا نام ہے، جس کی سزا قرآن کی صریح آیت سے اسی کوڑے، شہادت کی دائمی رد اور فسق کا حکم ہے، البتہ سچی توبہ کے آثار فقہی تفصیل کے ساتھ ثابت ہیں۔ قاذف کے لیے عقل و بلوغ، اختیار، صراحتِ الزام اور ثبوت کی عدم موجودگی شرط ہے، جبکہ مقذوف کے لیے اسلام، بلوغ، عقل، حریت اور عفت کی پانچ شرائط سے احصان ثابت ہوتا ہے۔ اس پورے نظام کا مقصد انسان کی عزت کی حفاظت، زبان کی لغزشوں کی روک تھام اور معاشرے کو کردار کشی کے فتنے سے بچانا ہے۔

جدول: مقذوف کے احصان کی پانچ شرائط

وضاحت	شرط
مقذوف مسلمان ہو	اسلام
بالغ ہو؛ نابالغ پر الزام تعزیر کا موجب	بلوغ
عاقل ہو	عقل
آزاد ہو) کلاسیکی فقہی شرط(	حریت

پاک دامن ہو؛ اس پر زنا ثابت نہ ہوا ہو	عفت

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com
AIOU LIBRARY